سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن لکھنؤ نمبر ۱۳۲

عدل

(دوسرا ایڈیشن)

از قلم

سرکار سید العلماء الحاج مولانا السید علی النقی النقوی مدظلہ مجتہد العصر

قیمت سولہ پیسے

مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ

تعارف

اس دینی مشن سے ۱۳۵۵ھ میں اُصولِ دین اور فروعِ دین پر جو رسائل شائع کیے گئے تھے ان میں سے اُصولِ دین کے سلسلہ کا یہ دوسرا رسالہ ہے جس کا اب یہ دوسرا ایڈیشن شائع کیا جا رہا ہے۔

یہ رسائل اُردو، سندھی اور انگریزی تینوں زبانوں میں موجود ہیں۔ اور دیگر اقوام و ملل کے ہاتھوں تک دنیا کے گوشہ گوشہ میں بلا قیمت پہنچائے جا رہے ہیں۔

افرادِ ملت سے استدعا ہے کہ محافل و مجالس میں بھی ان رسائل کو کثیر تعداد میں تقسیم فرما کر عنداللہ و عندالرسولؐ ماجور ہوں۔

خادمِ ملت

سید ابن حسین نقوی عفی عنہ

ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ — آنریری سکریٹری امامیہ مشن، لکھنؤ ۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ سید المرسلین وآلہ الطاہرین

توحید خالق کے کمالِ ذات کو ماننے کا نام ہے، اور عدل اُس کے کمالِ افعال کا۔

توحید جس طرح اسلام کا اصل اصول اور طرۂ امتیاز ہے جس سے وہ تمام مذاہبِ عالم میں خصوصی طور پر متعارف ہے، اُسی طرح عدل مسلمانوں کے فرقۂ امامیہ کے عقائد کا بنیادی اُصول ہے جس سے تمام فرقِ اسلام میں اُن کا خصوصی تعارف ہوتا ہے۔

حُسن و قبح عقلی

تمام کاموں میں بجائے خود اچھائی یا بُرائی پائی جاتی ہے بہت سے کام اچھے ہیں، جو بہر حال اچھے ہیں چاہے کرنے والا کوئی بھی ہو، اور بہت سے کام بہر صورت بُرے ہیں۔

چاہے اُن کا کرنے والا کوئی بھی ہو۔

یہ اور بات ہے کہ کسی کام کی اچھائی یا بُرائی کو ہماری عقل سمجھ نہ سکے۔ یہ ہماری نادانی ہو گی، لیکن اصل حقیقت کے اعتبار سے اُس میں ایسے پہلو ضرور ہوں گے جنھیں ہماری عقل بھی اگر ترقی یافتہ ہوتی تو سمجھ لیتی۔

عادل ہونے کا مطلب

اللہ کو عادل کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہرگز ایسا کام نہیں کرتا جس میں بُرائی پائی جاتی ہو بلکہ اُس کے سب کام اچھے ہی ہوتے ہیں۔

یہ پابندی کسی دوسری طاقت کی طرف سے عائد کی ہوئی نہیں ہے، جو اُس کی قدرت کے خلاف ہو، بلکہ یہ خود اُس کے کمالِ علم و قدرت کا تقاضا ہے، جس کے خلاف اُس کے شایانِ شان نہیں ہے۔

عدالت کے معنی مساوات کے نہیں ہیں تاکہ کائنات میں جو تفرقہ آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے وہ عدالت کے خلاف قرار پائے بلکہ صلاحیتوں، ضرورتوں اور نتیجوں کے فرق کے ساتھ کام میں فرق ہونا، عین تقاضائے عدالت ہے۔

عدل کا یہ مطلب ہے کہ وہ جو کرتا ہے صحیح و مناسب ہی ہوتا ہے، غلط، بُرا اور بے فائدہ کام اُس سے سرزد نہیں ہوتا۔ اس معیار پر نظامِ عالم میں جو تفرقہ ہے وہ بھی عدل کے مطابق ہے۔ خالق کی طرف سے ذرہ بھر بھی ظلم کا امکان نہیں ہے۔

عدل کا ماننا کیوں ضروری ہے

فعلِ شر کا مرتکب وہی ہوگا جس کی ذات میں تقاضائے شر موجود ہو۔ ذاتِ الٰہی سراسر خیر ہے، تو پھر اُس کے افعال میں شر کا تصور کیسا؟ پھر یہ کہ بُرا کام جو کرتا ہے وہ یا اُس کی بُرائی سے ناواقفیت کی بنا پر، یا واقف ہوتے ہوئے کسی غلط جذبہ سے مغلوب ہوکر۔

خالق کے یہاں علم اور قدرت دونوں کامل ہیں، اس لئے نہ وہاں ناواقفیت کا امکان ہے نہ مغلوب ہونے کا، پھر وہ کوئی بُرا کام کیوں کرنے لگا۔

عدل کے حدود کی وسعت

عدل کے اقرار کے ساتھ اللہ سے ظلم اور بُرائی کی جتنی

صورتیں ہیں سب کی نفی ہو جاتی ہے۔ خدا کا اپنے بندوں کو بُرے کاموں پر مجبور کرنا اور پھر خود ہی اُن کو سزا دینا، بندوں کو اُن کی طاقت سے زیادہ احکام دینا، فرمانبردار بندوں کے ساتھ ناانصافی کر کے اُن کو عمل سے کم بدلہ دینا، نافرمان بندوں کو اُن کے استحقاق سے زیادہ سزا دینا، بندوں پر بغیر قصور کے عذاب نازل کرنا، اپنے احکام کو پہنچائے بغیر اُن کی مخالفت پر باز پرس کرنا، وغیرہ وغیرہ یہ تمام باتیں خالق کی شان کے خلاف ہیں جن کا تصور بھی اُس کے متعلق نہیں کرنا چاہیئے۔

عدل کی بنیادی اہمیت

توحید، نبوت اور قیامت تو تمام مسلمانوں کے نزدیک دین کے لازمی اُصول ہیں مگر عدل کو نہ مانا جائے تو رسولوں کی تصدیق کا نہ کوئی ذریعہ رہے گا اور نہ قیامت کو ماننے کا کوئی باعث۔ رسول کی ضرورت اسی لئے تو ہے کہ ہدایتِ خلق پروردگارِ عالم کے لئے لازم ہے ــــ پھر اگر خالق کے افعال میں کسی بات کی پابندی ضروری نہیں تو اس کی کیا ذمہ داری ہے کہ وہ اس ہدایت کے کام کو ضروری انجام دے۔ اس کے علاوہ تصدیقِ رسول معجزہ کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور وہ یوں کہ اگر یہ شخص اپنے دعوے میں سچا نہ ہوتا تو خالق اُس کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر نہ کرتا یا یہ کہ وہ کسی کو اُس کے

مقابلہ کی قدرت عطا کر دیتا ــــ لیکن اگر یہ سمجھا گیا کہ قادرِ مطلق کے لئے ہر بات جائز ہے تو اس کا کیا ثبوت رہے گا کہ جس کے ہاتھ پر اُس نے معجزہ ظاہر کیا وہ سچا ہی نبی ہے۔

اسی طرح قیامت کی بنیاد تو جزا و سزا کے ضروری ہونے پر ہے۔ اگر یہ مانا گیا کہ اللہ کے لئے عدالت ضروری نہیں تو جزا و سزا کس لئے ہوگی۔ اگر صرف انبیاؑ کے خبر دینے کی وجہ سے اُسے مانا جائے تو یہ ابھی بتایا جا چکا کہ خود انبیاؑ کی سچائی ہی کا بغیر عدالت ثابت ہونا ممکن نہیں۔ پھر اُن کی خبروں کے بعد بھی اگر قیامت کوئی چیز نہ ہو تو جھوٹ یا وعدہ خلافی کا الزام عائد ہوگا لیکن اگر یہ سمجھا گیا کہ خالق کے لئے کوئی بُرائی بُرائی ہی نہیں تو اس سب میں کیا ہرج ہوگا۔

غرض یہ کہ پورے مذہب اور شریعت کی عمارت اس اصل کے نہ ہونے سے ایک دم گر جائے گی اور اسی سے اُس کے اصولِ دین میں ہونے کی وجہ ظاہر ہے۔ قرآن نے اسی لئے صاف کہا ہے:-

وکلمت کلمة ربک صدق وعدلا لا مبدّل بکلماته

"تمہارے پروردگار کی بات سچائی اور عدالت کے ساتھ پوری ہے، کوئی چیز اُس کی باتوں کو بدل نہیں سکتی۔

اور ان الله لیس بظلام للعبید

اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

ان الله لا يظلم مثقال ذرة

اللہ کے یہاں ذرہ بھر ظلم نہیں ہے۔

امامیہ مشن کے رسالہ "اُصولِ دین اور قرآن" میں اس بارے میں چالیس آیتیں درج کی گئی ہیں جو اس کا قطعی ثبوت ہیں۔

جبر و اختیار

انسان کو اُس کے افعال میں بالکل مجبور جاننا یا یہ ماننا کہ اصل میں اُس کے افعال کا فاعل وہ خود ہے ہی نہیں، بلکہ اللہ ہے، اور پھر بھی حکم عدولیوں کی سزا اُس کو ملنا اور کفر و شرک پر دوزخ میں ڈالا جانا عدلِ الٰہی کے خلاف ہے اور اس لئے ماننے کے قابل نہیں ہے۔

اسی طرح یہ کہ وہ بالکل مختار ہے یعنی جو کرنا چاہے وہ بہر صورت کرسکتا ہے کوئی اُس کی راہ میں رکاوٹ حائل نہیں ہوسکتی۔ یہ خیال خالق کی قدرت کاملہ کے خلاف ہے، اس لئے صحیح نظریہ ان دونوں سے ہٹ کر بین بین کا راستہ ہے اور وہ یہ کہ انسان اپنے اچھے اور بُرے افعال کا فاعل مختار اور اُن کا ذمہ دار ہے، اور وہ جو کرنا چاہے کرتا ہے، جب تک کہ خالق کی قدرت اُس کے سدِّ راہ نہ ہو لیکن جب خالق کی قدرت درمیان میں حائل ہوجائے تو پھر یہ انسان بے بس ہوجائے گا، اور جو چاہے اُسے نہ کرسکے گا اور اُس صورت

میں نتیجہ کی ذمہ داری بھی اُس پر نہ ہوگی۔

امامیہ مشن سے دو رسالے "جبر و اختیار" کے موضوع پر نکل چکے ہیں جن میں باوجود اختصار اس کے تمام پہلوؤں پر روشنی پڑ گئی ہے۔ وہ اس مسئلہ کے پورے طور پر سمجھنے کے لئے بہت حد تک کافی ہیں۔

مظالم اور تکالیف و آلام

دنیا میں بہت سے اشخاص مظالم و مصائب اور تکالیف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ وہ نہ تو "یزداں" کے مقابلہ میں کسی "اہرمن" کی پیداوار ہیں۔ نہ گزشتہ جنم کے "پاپوں" کا کرشمہ اور نہ معاذ اللہ خود اللہ کے عدمِ عدالت کا ثبوت۔

بلکہ کبھی وہ عام نظامِ اسباب کے تحت میں خود انسانوں کے ارادہ و اختیار کا نتیجہ ہوتے ہیں اور کبھی خالق کی طرف سے اسی دورِ زندگی کے گزشتہ اعمال کی سزا کے طور پر، اور جہاں یہ کچھ نہ ہو وہاں وہ مجموعی نظامِ عالم کے سلسلہ کی کوئی کڑیاں ہیں جن کے تحت میں یہ انسان ضمنی طور پر آجاتا ہے، اور اس صورت میں اُس کی اس تکلیف کا معاوضہ اُسے خالق کی طرف سے ایسا ضرور ملے گا، جس کے مقابلہ میں یہ تکلیف ناقابل لحاظ قرار پاجائے۔

ابتلاء و مصیبت کے وقت اس معاوضہ کی پوری خبر اس شخص کو ہونا کوئی ضروری امر نہیں ہے۔

بے غرض اور باغرض

افعالِ الٰہی "بے غرض" نہیں ہوتے یعنی بے کار اور بے فائدہ کام اُس کے شایانِ شان نہیں، مگر یہ غرض خود اُس کی ذات سے متعلق نہیں ہوتی، وہ بلاشبہ بے نیاز ذات ہے۔ اُس کے افعال کا باعث خود اس فعل کا حُسنِ ذاتی ہوتا ہے، یا اپنے مخلوقات کو فائدہ پہنچانا ہوتا ہے، لہٰذا اپنی ذات کے لحاظ سے اُس کے کام یقیناً بالکل "بے غرض" ہوتے ہیں۔

احکامِ شرعیہ کے مصالح

نوعِ انسان پر تکالیفِ شرعیہ کی ذمہ داری عائد کرنا "خیر" کے سوا ہرگز کسی حیثیت سے بھی شر نہیں۔ اسی سے تو انسانی جوہرِ کمال جو اُس کا "حُسنِ اختیار" ہے عالمِ ظہور میں آتا ہے۔

یہ تصور کرنا کہ احکام اُنہی کے لئے ہوتے جو اطاعت کرنے والے ہیں اور نافرمانوں کے لئے احکام نہ ہوتے، غلط ہوگا اس لئے کہ فرمانبرداری اور نافرمانی کی تفریق تو خود احکام کی ہمہ گیری کا نتیجہ ہے۔ پھر وہ احکام میں تفریق کا سبب کیونکر ہوسکتی تھی۔

اس کے علاوہ اطاعت کرنے والوں کا امتیاز جو ان تکالیف کے مستحسن ہونے کا راز ہے وہ اُن کے عام ہونے ہی سے وابستہ ہے۔

ایسے ہی تمام اُن چیزوں کا وجود جو انسان کے اس جوہرِ کمال کے اُجاگر ہونے کا ذریعہ ہیں، جیسے جذبات اور اُن کے محرکات، خواہشیں

اور اُن کے پورے ہونے کے اسباب، یہاں تک کہ شیطان اور اُس کے تمام نمائندے جیسے نمرود، فرعون اور یزید وغیرہ سب ہی کا وجود نظامِ کائنات میں ضروری تھا کہ بغیر ان کے وجود میں آئے ہوئے بہت سی انسانی رفعتیں جو کامل افرادِ بشر میں مضمر تھیں عالمِ ظہور میں آ ہی نہیں سکتی تھیں، لہٰذا شیطان وغیرہ کے افعال کی بُرائی وہ اُن کی ذات سے متعلق ہے اور ان اشخاص کا وجود میں لانا جو خالقِ کریم کا فعل ہے، وہ بالکل خیر ہے جس میں شر کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔

اس کی تفصیل مسئلۂ دعا میں ہے جو امامیہ مشن سے شائع ہوا ہے۔

عدل اور ظلم کے بارے میں کچھ تشریحات

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ عدل ظلم کے مقابل میں ہے لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ حقوق کی مراعات ہیں کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو یعنی کسی کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔

اس صورت میں یہ سوال کہ انسانی افراد میں عمروں کا فرق، صحت و قوت میں فرق، دل و دماغ میں فرق، اور مال و اولاد وغیرہ میں کیوں فرق ہے، کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ یہ سب مخلوق ممکنات میں سے ہے، اور ممکن ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اُس کی ذات میں خود کوئی تقاضا وجود کا نہیں ہے۔

اور جب وجود اپنا نہیں تو اور کیا شے اپنی ہوسکتی ہے، کیونکہ اور جو

بے غرض اور باغرض

افعالِ الٰہی "بے غرض" نہیں ہوتے یعنی بے کار اور بے فائدہ کام اُس کے شایانِ شان نہیں، مگر یہ غرض خود اُس کی ذات سے متعلق نہیں ہوتی، وہ بلاشبہ بے نیاز ذات ہے۔ اُس کے افعال کا باعث خود اس فعل کا حُسنِ ذاتی ہوتا ہے، یا اپنے مخلوقات کو فائدہ پہنچانا ہوتا ہے، لہٰذا اپنی ذات کے لحاظ سے اُس کے کام یقیناً "بالکل" "بے غرض" ہوتے ہیں۔

احکامِ شرعیہ کے مصالح

نوعِ انسان پر تکالیفِ شرعیہ کی ذمہ داری عائد کرنا "خیر" کے سوا ہرگز کسی حیثیت سے بھی شر نہیں۔ اسی سے تو انسانی جوہرِ کمال جو اُس کا "حُسنِ اختیار" ہے عالمِ ظہور میں آتا ہے۔

یہ تصور کرنا کہ احکام اُنہی کے لئے ہوتے جو اطاعت کرنے والے ہیں اور نافرمانوں کے لئے احکام نہ ہوتے، غلط ہوگا اس لئے کہ فرمانبرداری اور نافرمانی کی تفریق تو خود احکام کی ہمہ گیری کا نتیجہ ہے۔ پھر وہ احکام میں تفریق کا سبب کیونکر ہوسکتی تھی۔

اس کے علاوہ اطاعت کرنے والوں کا امتیاز جو ان تکالیف کے مستحسن ہونے کا راز ہے وہ اُن کے عام ہونے ہی سے وابستہ ہے۔

ایسے ہی تمام اُن چیزوں کا وجود جو انسان کے اس جوہرِ کمال کے اُجاگر ہونے کا ذریعہ ہیں، جیسے جذبات اور اُن کے مراکز، خواہشیں

اور اُن کے پورے ہونے کے اسباب، یہاں تک کہ شیطان اور اُس کے تمام نمایندے جیسے نمرود، فرعون اور یزید وغیرہ سب ہی کا وجود نظامِ کائنات میں ضروری تھا کہ بغیر ان کے وجود میں آئے ہوئے بہت سی انسانی رفعتیں جو کامل افرادِ بشر میں مضمر تھیں عالمِ ظہور میں آ ہی نہیں سکتی تھیں، لہٰذا شیطان وغیرہ کے افعال کی بُرائی وہ اُن کی ذات سے متعلق ہے اور ان اشخاص کا وجود میں لانا جو خالقِ کریم کا فعل ہے، وہ بالکل خیر ہے جس میں شر کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔

اس کی تفصیل مسئلہ دعا میں ہے جو امامیہ مشن سے شائع ہوا ہے۔

عدل اور ظلم کے بارے میں کچھ تشریحات

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ عدل ظلم کے مقابل میں ہے لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ حقوق کی مراعات ایسی کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو یعنی کسی کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔

اس صورت میں یہ سوال کہ انسانی افراد میں عمروں کا فرق، صحت و قوت میں فرق، دل و دماغ میں فرق، اور مال و اولاد وغیرہ میں کیوں فرق ہے، کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ یہ سب مخلوق ممکنات میں سے ہے، اور ممکن ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اُس کی ذات میں خود کوئی تقاضا وجود کا نہیں ہے۔

اور جب وجود اپنا نہیں تو اور کیا شے اپنی ہوسکتی ہے، کیونکہ اور جو

کچھ اپنا ہو سکتا ہے وہ تو وجود ہی کی بدولت ہو سکتا ہے۔ یہ خالق کی فیاضی ہے کہ وہ وجود بخشتا ہے، اور اس پورے نظامِ کائنات کی مصلحتوں کے مطابق جتنا جس کو مناسب ہے اُتنا عطا کر دیتا ہے۔ لہٰذا جس طرح کسی شے کو خلق ہی نہ کرے تو یہ اُس پر کوئی ظلم نہیں ہے، اُسی طرح کسی شے کو وجود میں لا کر جب چاہے فنا کر دے تو کوئی شکایت کا محل نہیں۔ اُس بچہ نے کہ جو پیدا ہوتے ہی مر گیا یقیناً اپنے اُتنے ہی وجود کے ساتھ اُس مقصد کو پورا کر دیا ہے جو اس پورے نظامِ کائنات کی ایک کڑی ہونے کے اعتبار سے اُس کی ذات کے ساتھ وابستہ تھا اور جس کے لئے اُس کی خلقت ہوئی تھی مگر ہم اس پورے نظامِ کائنات کا احاطہ کہاں رکھتے ہیں جو اُس کی تمام کڑیوں کے فوائد و مقاصد اور اُن کے باہمی ارتباط کو سمجھ سکیں۔

ہاں یہ اُس صورت میں ہے کہ جب اُس بچہ کے مرنے میں کسی انسانی بے اعتدالی کا دخل نہ ہو کیوں کہ اکثر اس طرح کے حوادث اور اسی طرح بہت سی تکلیفیں یا ذلتیں جو آدمیوں کو پہنچتی ہیں، وہ انسانوں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہوتی ہیں جن کی ذمہ داری خالق پر عائد نہیں ہوتی۔

ایسے ہی وہ مظالم جو انسانوں پر انسانوں ہی کے ہاتھ سے ہوتے ہیں، کیونکہ اُس نے انسان کو عدالت ہی کی بنا پر فاعلِ مختار بنایا ہے، اس لئے اُس کے افعال کا وہ ذمہ دار نہیں ہے۔ پھر بھی وہ اپنے نیک بندوں کو ان مصائب پر صبر کرنے سے ثواب عطا فرماتا ہے۔ یہ اُس کا

فضل و کرم ہے۔

رہ گیا یہ کہ اُس نے کسی کو آدمی بنایا اور کسی کو جانور، کوئی درخت ہے، اور کوئی پتھر، تو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ فرق جو ذات اور ذاتیات سے متعلق ہیں یہ الگ سے نہیں ہوا کرتے۔ خالق کا کام تو ہر طرح کی چیزوں کو مصالح کے تقاضوں کے مطابق پیدا کر دینا ہے اُسے آدمی کو بھی پیدا کرنا ضروری تھا اور جانوروں کو بھی، درختوں کو بھی اور پتھروں کو بھی اور اسی طرح کُل چھوٹی اور بڑی کائنات کو۔ ان میں سے جو چیز بھی پیدا نہ ہوتی نظام کا ایک ضروری جزو کم ہو جاتا اُس لئے وہ ظلم ہوتا۔ اس نظامِ کامل کی مطابقت ہی جو موافقِ مصلحت ہے، عین عدل ہے جس کے خلاف خالق سے ہونا صحیح نہیں۔

عہد و میثاق اور اقتضائے طینت

قرآن و حدیث میں خلقت سے پہلے عہد و پیمان لئے جانے اور انسانوں کی مختلف طرح کی طینتوں کا ذکر اتنی کثرت سے اور صراحت کے ساتھ ہے کہ ان میں سے کسی بات کا بھی انکار ممکن نہیں ہے مگر ان میں سے کوئی چیز انسانی افعال پر اس طرح اثر انداز نہیں مانی جا سکتی کہ وہ اپنے افعال میں بے بس اور بے قابو قرار پا جائے جس کے بعد "نیک و بد" افعال کی ذمہ داری اُس پر نہ رہے۔ یہ

کسی طرح درست نہیں ہے۔

زندگی اور موت

تمام حوادثِ کائنات کی طرح حیات و موت بھی خالق کے ارادہ و قضا و تقدیر کے ماتحت ہے، مگر جس طرح ہر چیز میں تقدیر کے ماتحت تدبیر بھی ہوتی ہے، اور جب تک خالق کا ارادہ قطعی طور پر اس تدبیر کے خلاف کارفرما نہ ہو گیا ہو، وہ تدبیر کارگر بھی ہو سکتی ہے، اسی طرح حیات اور موت کو بھی سمجھنا چاہیئے۔

ایسی صورت میں موجودہ زمانہ کی یہ خبریں کہ ڈاکٹر کسی مردہ کو جلا لینے میں کامیاب ہو گئے یعنی موت آ چکنے کے بعد اُس موت کو اُنھوں نے رد کر دیا کسی مذہبی اُصول کے خلاف نہیں ہیں۔

ہاں ایک منزل دنیا کے تمام حوادث میں وہ آ جاتی ہے جب مخلوق کی تمام کوششیں بے اثر ہو جائیں۔ اسی طرح موت کا وہ ایک ہنگام بھی آنا لازم ہے، جہاں تمام ڈاکٹر زندہ کرنے سے عاجز ہو جائیں وہ خدا کی اُس تقدیر کا ثبوت ہو گا جو کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔

عقیدۂ عدل کا عملی نتیجہ

خالق کی عدالت وہ ہے جو خلائق سے بھی انصاف و عدالت اور

حسن کردار کی طلبگار ہے۔

اُس نے ہمیں ایک امانت دی ہے جس کا نام ہے اختیار ہمیں اس اختیار کو صحیح ہی کاموں میں صرف کرنا چاہیئے۔

اس عقیدہ سے اُس برادری میں جو وحدتِ خالق کے رشتہ سے قائم کی گئی ہے تبادلۂ حقوق اور تعین حدود کی بنیادیں مضبوط ہوتی ہیں انھیں حدود سے قدم آگے بڑھانے کا نام ظلم ہوتا ہے اور ظلم کرنے والوں پر اللہ لعنت فرماتا ہے یعنی یہ اعلان کہ وہ اُس کی رحمت سے ہمیشہ کے لئے دُور ہیں۔

عقیدۂ عدل کے ماتحت دنیا میں امیر و غریب، طاقتور اور کمزور وغیرہ کے سب تفرقے ظاہری اور عارضی مانے جاتے ہیں اس لئے امیر کو امارت پر گھمنڈ نہیں ہونا چاہیئے اور غریب کو غربت سے دل شکستہ نہیں ہونا چاہیئے۔

حُسن کردار سب کے لئے نجات کی یکساں شرط ہے۔ گناہ اگر غریب کرے گا تو سزا پائے گا اور امیر کرے گا تو سزا پائے گا اسی طرح اچھے کام اگر امیر کرے گا تو انعام پائے گا اور غریب کرے گا تو انعام پائے گا۔ اس طرح ہر شخص کو اپنے فرائض کا احساس پیدا ہونا چاہیئے اور اپنے اعمال کی جانچ کرتے رہنا چاہیئے۔

ہر چیز میں حد سے بڑھنا اور حد سے پیچھے رہنا دونوں ظلم ہیں انسانی اخلاق سب اعتدال کے نقطہ سے وابستہ ہیں، اور اسی

اعتدال کے قیام سے انسان عادل کہلاتا ہے۔ اللہ کے عادل ماننے والوں کو خود بھی اپنے اعمال میں عدل کی پیروی کرنا چاہیے۔ اور فرض شناس مسلمان وہی ہیں جو عدالت کی صفت سے ممتاز ہوں۔ والسلام

علی نقی النقوی عفی عنہ
۱۴ر جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۷۳ھ

پبلشر: سید ابن حسین نقوی۔ آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ ۳

سلسلہ اشاعت امامیہ مشن نمبر ۱۳۵

نبوت

ازافادات

سرکار سید العلماء مدظلہ

قیمت ۲ر — محصول ار